بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ جرمنی

اخبار احمدیہ

جماعت احمدیہ جرمنی کا ترجمان

جلد نمبر-13 مدیر-نعیم احمد نیرّ کتابت وڈیزائننگ؛ رشید الدین، ماہ، فتح 1387 ہجری شمسی، بمطابق-جنوری 2008ء شمارہ نمبر 1

احکام خداوندی

(ترجمہ)-اور (یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا اے میرے ربّ! اس شہر کو امن کی جگہ بنادے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو اس بات سے بچا کہ ہم بتوں کی عبادت کریں۔

اے میرے ربّ! انہوں نے یقیناً لوگوں میں سے بہتوں کو گمراہ بنا دیا ہے۔ پس جس نے میری پیروی کی تو وہ یقیناً مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً تو بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اے ہمارے ربّ! یقیناً میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو ایک بے آب و گیاہ وادی میں تیرے معزز گھر کے پاس آباد کر دیا ہے۔ اے ہمارے ربّ! تا کہ وہ نماز قائم کریں۔ پس لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں میں سے رزق عطا کر، تا کہ وہ شکر کریں۔

(ابراھیم، ۳۶ تا ۳۸)

حدیث حضرت خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے دریافت کیا کہ حضور کچھ لوگ جو کفر سے نئے نئے نکلے ہیں ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں اور ہمیں علم نہیں کہ انہوں نے جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھی بھی یا نہیں، کیا ہم گوشت کھا سکتے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا: تم خود اس پر بسم اللہ پڑھ لو اور بخوشی کھاؤ۔

(بخاری کتاب التوحید، بحوالہ حدیقۃ الصالحین، ص ۴۳۲)

ارشادات سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام

اور میں ولایت کے سلسلہ کو ختم کرنے والا ہوں جیسا ہمارے سید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے سلسلہ کو ختم کرنے والے تھے۔ اور وہ خاتم الانبیا ہیں۔ اور میں خاتم الاولیاء ہوں۔ میرے بعد کوئی ولی نہیں مگر وہ جو مجھ سے ہوگا اور میرے عہد پر ہوگا۔

(روحانی خزائن جلد 16، صفحہ 70,69)

درحقیقت خوش اور مبارک زندگی وہی زندگی ہے جو الٰہی دین کی خدمت اور اشاعت میں بسر ہو۔ ورنہ اگر انسان ساری دنیا کا بھی مالک ہو جائے اور اس قدر وسعت معاش ہو کہ تمام سامان عیش کے جو دنیا میں ایک شہنشاہ کے لئے ممکن ہیں وہ سب عیش اسے حاصل ہوں پھر بھی وہ عیش نہیں بلکہ ایک قسم عذاب کی ہے جس کی تلخیاں کبھی ساتھ ساتھ اور کبھی بعد میں کھلتی ہیں۔

(آئینہ کمالات اسلام، ص ۳۵، ۳۶ طبع اول)

تاریخ کے اوراق سے

پیلاطوس ثانی کا شاندار کارنامہ

پیلاطوس ثانی مسٹر ولیم ڈگلس نے چونکہ پیلاطوس اول کے برعکس (حضرت مسیح موعودؑ کی مقدمے سے، ناقل) بریت کا فیصلہ دے کر عدل و انصاف کا شاندار کارنامہ دکھایا تھا اس لئے حضور نے بھی اس پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے کتاب البریہ اور دیگر متعدد تصانیف میں ان کی بیدار مغزی، منصف مزاجی، مردانگی، حق پسندی اور خداترسی کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر حضورؑ نے لکھا۔ ''جب تک کہ دنیا قائم ہے اور جیسے جیسے یہ جماعت لاکھوں کروڑوں افراد تک پہنچے گی ویسے ویسے تعریف کے ساتھ اس نیک نیت حاکم کا تذکرہ رہے گا۔ اور یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ خدا نے اس کام کے لئے اس کو چنا''۔

مسٹر ڈبلیو ایم ڈگلس (ولیم مانٹی گو ڈگلس) نے ۲۵ فروری ۱۹۵۷ء کو لنڈن میں انتقال فرمایا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔ اور ان کے ذہن میں آخر تک اس مقدمہ کے واقعات پوری طرح محفوظ تھے اور وہ جب تک زندہ رہے اپنی زندگی کے اس اہم ترین واقعہ کا تذکرہ کرتے رہے اور جب کبھی کوئی احمدی آپ کی ملاقات کے لئے جاتا تو اس واقعہ کی تفصیل ضرور بیان کرتے اور عقیدت آمیز لب و لہجہ میں کہتے کہ میں نے مرزا صاحب کو دیکھتے ہی یقین کر لیا تھا کہ یہ شخص جھوٹ نہیں بول سکتا۔

ایک مرتبہ یوم التبلیغ کی تقریب پر انہوں نے مسجد فضل لندن میں اپنی صدارتی تقریر کے دوران جماعت احمدیہ کے نوجوانوں کو یہ پیغام دیا کہ ''مجھ سے بارہا یہ سوال کیا گیا ہے کہ احمدیت کا سب سے بڑا مقصد کیا ہے؟ میں اس سوال کا یہی جواب دیتا ہوں کہ اسلام میں روحانیت کی روح پھونکنا۔ بانی جماعت احمدیہ نے آج سے پچاس برس بیشتر یہ معلوم کر لیا تھا کہ موجودہ زمانہ میں مذہب اور سائنس کا میلان کس طرف ہوگا..... احمدیت کا ایک مقصد اسلام کو موجودہ زمانے کی زندگی کے مطابق پیش کرنا ہے۔ میں نے جب ۱۸۹۷ء میں بانی جماعت احمدیہ کے خلاف مقدمہ کی سماعت کی تھی اس وقت جماعت کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ تھی لیکن آج دس لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ پچاس سال کے عرصہ میں یہ نہایت شاندار کامیابی ہے اور مجھے یقین ہے کہ موجودہ نسل کے نوجوان اس کی طرف زیادہ توجہ دیں گے اور آئندہ **پچاس سال کے عرصہ میں جماعت کی تعداد بہت بڑھ جائے گی**

(تاریخ احمدیت جلد نمبر ۱، ص ۶۳۶، ۶۳۷)

انقلاب حقیقی بالآخر برپا ہو کر رہے گا

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے مسٹر "آئن ایڈم سن" کو انٹرویو میں احمدیت کے انقلاب کے بارہ میں بتایا جو انہوں نے اپنی کتاب "A Man of God" (ایک مردِخُدا) میں درج کیا ہے۔

فرمایا؛

ہم تو لمبی دوڑ لگانے والے کھلاڑی ہیں۔ نہ ہم بے صبرے ہیں اور نہ ہی شکست کے مفہوم سے آشنا ہیں۔ زود یا بدیر ہم اپنی منزل کو پا کر رہیں گے۔ انشاء اللہ۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ محض منزل کے حصول کی وہ اہمیت نہیں جو اہمیت اس مخلصانہ جدوجہد کی ہے۔ جو ہم منزل تک پہنچنے کے لئے کرتے ہیں۔ منزل کتنی ہی دور کیوں نہ ہو، ایک نسل کے فاصلے پر ہو یا ایک سو نسلوں کی دوری پر۔ اگر آپ اس تک پہنچنے کی پوری کوشش کرتے ہوئے راستے ہی میں جان دے دیتے ہیں تو سمجھ لیں کہ آپ نے اپنے مقصد کو پا لیا اور آپ فتح و نصرت سے ہمکنار ہو گئے۔

ایسی موت کو موت نہیں کہہ سکتے۔ دنیا اس اطمینان اور روحانی لذت اور سرور کا تصور بھی نہیں کر سکتی جو اس قسم کی موت کے نتیجے میں حاصل ہوا کرتا ہے۔ یاد رکھیں پوری نسل بلکہ نسل کی نسل اور اس کے آنے والی نسل در نسل بھی کیوں نہ گذر جائے۔ فتح بالآخر ان روحانی قدروں ہی کی ہوگی جن کا دوسرا نام احمدیت اور حقیقی اسلام ہے۔

میں اور میرے ساتھی جانتے ہیں کہ ہم لمحہ بہ لمحہ قدم بہ قدم

باقی صفحہ نمبر ۳ پر

ماں ، محبت کا نشان

(مقصود احمد علوی ، بیٹک ہائم جرمنی)

کتنا شیریں اور کیا ہی پیارا ہے یہ لفظ ماں۔ دُنیاوی رشتوں میں سب سے پیارا اور انمول ماں ہی کا رشتہ ہوتا ہے۔ جس طرح یہ رشتہ بینظیر ہے اُسی طرح اس کا پیار بھی دُنیا میں بے مثال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی اور دل میں ایسی محبت موجود ہی نہیں ہوتی جیسی کہ ماں کے دل میں۔ ماں کا لفظ بولیں تو لگتا ہے منہ مٹھاس سے بھر گیا ہے اور انسان محسوس کرتا ہے کہ رُوئیں رُوئیں اور پور پور سے محبت پھوٹ پڑی ہے۔ وہ نظارہ کتنا دلکش ہوتا ہے جب کوئی بچہ ماں کہہ کر اُس کی طرف لپکتا ہے اور وہ اُسے اٹھا کر سینے سے لگاتی اور چومتی ہے۔ محبت کے اس بے اختیار اظہار سے اردگرد کی فضا بھی محبت سے بھر جاتی ہے۔

خدا چونکہ خود محبت ہے اس لئے اُس نے ماں کے روپ میں دُنیا میں محبتوں کا دریا بہا دیا ہے۔ جانثاری، فدائیّت اور قربانی کی معراج کا اگر کوئی دوسرا نام رکھنا چاہیں تو وہ نام ماں ہے۔ ماں کی محبت ایک ایسا بے اختیار جذبہ ہے جو پُر زور چشمہ کی طرح دُنیا کی ہر ماں کے دل سے اُبلتا ہے۔ ماں اپنے بچوں سے ایسی خالص اور بے لوث محبت کرتی ہے کہ دُنیا میں اور کوئی نہیں کرسکتا۔ وہ بڑی ہی جانفشانی سے اپنے بچے کی پرورش کرتی ہے۔ بچہ بیمار پڑ جائے تو پوری پوری رات آنکھوں میں گزار دیتی ہے اور بسا اوقات اس محنت کی وجہ سے خود بیمار پڑ جاتی ہے۔ یہ ماں ہی ہے جو اپنی ہر قسم کی خوشیاں اور آرام اپنے بچوں پر نچھاور کر دیتی ہے حتّٰی کہ اگر ضرورت پڑے تو جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

ناراض ہوکر بچے کو جھڑک بیٹھے تو اُس کے دل کی عجیب کیفیّت ہو جاتی ہے۔ بہانے بنا بنا کر اُسے مناتی اور چیزیں لا لا کر اُس کے آگے رکھتی ہے۔ کھانا لے کر اُس کے پیچھے پیچھے پھرتی ہے اور بچے سے بڑھ کر خود دُکھی ہو جاتی ہے۔ کسی ماں کا بچہ گم ہو جائے تو اُس کی بے چینی اور دیوانگی کے عالم میں ادھر اُدھر بھاگنے کی کیفیّت انسان بیان نہیں کرسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ماں چاہے مشرق کی ہو یا مغرب کی، ماں تو ماں ہی ہوتی ہے۔ یہ کیسا عظیم اعزاز اور بے مثل و مانند امتیاز ہے کہ پوری رُوئے زمین پر ہر ایک ماں کی محبت کا معترف ہے۔

ماں کی محبت کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ خدا کا بزرگ مسیحؑ بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تولیّت اور کفالت کا فلسفہ سمجھانے کیلئے ماں ہی کہ مثال دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْن یعنی جو صلاحیّت اختیار کرتے ہیں خدا تعالیٰ اُن کا متولّی ہو جاتا ہے۔ بچپن میں ماں بچے کی متولّی ہوتی ہے تو بچے کو کوئی فکر اپنی ضروریات کا نہیں رہتا۔ وہ خود ہی اُس کی ضروریات کی کفیل ہوتی ہے۔ اُس کے کپڑوں اور کھانے پینے کے خود ہی فکر میں لگی رہتی ہے۔ اُس کی صحت قائم کرنے کا دھیان اُسی کو لگا رہتا ہے۔ اُس کو نہلاتی اور دھلاتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض وقت اُس کو مار کر کھانا کھلاتی ہے اور پانی پلاتی اور کپڑا پہناتی ہے۔ بچہ اپنی ضروریات کو نہیں سمجھتا بلکہ ماں ہی اُس کی ضرورتوں کو خوب سمجھتی اور اُن کو پورا کرنے کے خیال میں لگی رہتی ہے'' (ملفوظات جلد ۷ صفحہ ۵۲)

جرمنی میں سال میں ایک دفعہ ماں کا دن بھی منایا جاتا ہے۔ اِس دن خصوصیّت سے بچے اپنی ماؤں کو تحفے دیتے، نیک جذبات کا اظہار کرتے اور اُن کی خدمت کرتے ہیں۔ ایسے ہی ایک دن بچوں نے اخبار میں ماں کے بارے میں اپنے معصوم جذبات کا اظہار کیا ہوا تھا۔ کسی نے لکھا کہ ماں وہ ہوتی ہے جو ہمیں اچھے اچھے کھانے کھلاتی اور کپڑے پہناتی ہے۔ کسی نے لکھا کہ ماں بچوں سے بہت محبت کرتی ہے۔ غرضیکہ کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ لکھا ہوا تھا۔ ایک بچے نے اپنے بچگانہ لیکن بڑے ہی خوبصورت انداز میں اس عظیم ہستی کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ اُس نے لکھا چونکہ خدا جسمانی طور پر خود زمین پر ہر جگہ موجود نہیں ہوسکتا تھا اس لئے اُس نے ماں کو پیدا کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ماں بچوں کے لئے ایک انمول خزانہ، ایک نعمتِ عظمیٰ اور زمین پر ہی اُن کیلئے جنّت ہے۔ حضرت مسیحِ موعودؑ فرماتے ہیں: ''دیکھو! جب (بچہ) ماں کی گود میں ہوتا ہے اُس وقت کیا خوش ہوتا ہے۔ سب اٹھائے پھرتے ہیں۔ وہ ایسا زمانہ ہوتا ہے کہ گویا بہشت ہے اور اب یاد کر کے دیکھو کہ وہ زمانہ کہاں۔'' (ملفوظات جلد ۳ صفحہ ۴۲۴)۔

جن بچوں کی مائیں مَر جاتی ہیں وہ تو بس رُل ہی جاتے ہیں۔ وہ ماں کی بانہوں کو، اُس کے پیار کو ڈھونڈتے اور اُس کیلئے ترستے ہیں لیکن دُنیا میں بھلا کون ہے جو اُنہیں وہ سچی اور فطری محبت دے سکے۔ خدا نہ کرے کہ کسی بچے کی ماں مَر جائے۔

خدا کے نبی بھی ماں ہی کی طرح مخلوقِ خدا سے محبت کرتے ہیں۔ ماں ہی کی طرح اُن کی روحانی پرورش کیلئے دن رات فکر مند اور کوشاں رہتے اور اُن کیلئے تڑپتے ہیں۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ تقریر فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ''مجھے اس بات کا غم نہیں کہ ایسی جماعت نہ ہوگی۔ نہیں جماعت تو ضرور ہوگی اس لئے کہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ ایسے لوگ ضرور ہونگے۔ مگر غم اس بات کا ہے کہ ابھی جماعت کچی ہے اور پیغامِ موت آ رہا ہے۔ گویا جماعت کی حالت اُس بچہ کی سی ہے جس نے ابھی دو چار روز دودھ پیا ہو اور اُس کی ماں مَر جائے''

ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منہ سے جس وقت یہ جملے نکلے اُن میں کچھ ایسا درد اور رقّت تھی کہ اُس نے سامعین کو بے قرار کر دیا اور کئی آدمی جو آخر ضبط نہ کر سکے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ (ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۲۹۹)

ماں کی محبت ذاتی، فطری اور غیر مشروط ہوتی ہے۔ اس کا تعلق نہ تو مذہب سے ہے اور نہ ہی اخلاق سے۔ خالقِ حقیقی نے دُنیا کی ہر ماں میں یہ جذبہ ودیعت کر رکھا ہے۔ یہ جذبہ ہمیں جانوروں میں بھی نظر آتا ہے۔ یہ مائیں بھی اپنے بچوں کی پرورش اور حفاظت کی خاطر اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالتی ہیں اور اُن کی خوراک کیلئے ماری ماری پھرتی ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ بسا اوقات بچوں کو بچانے کیلئے اپنے سے کئی گنا طاقتور دُشمن سے بھڑ جاتی ہیں اور خود اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیتی ہیں حالانکہ اُن کے بچے بڑے ہوکر ہوسکتا ہے ان کے کسی کام نہ آئیں۔

حضرت مسیحِ موعودؑ فرماتے ہیں: ''طبعی محبت جو کہ ماں کو بچے کے ساتھ ہوتی ہے اس میں کوئی خود نمائی نہیں ہوتی بلکہ اگر ایک بادشاہ ماں کو یہ حکم دیوے کہ تو اس بچے کو اگر مار بھی ڈالے تو تجھ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی تو وہ کبھی یہ بات سننا گوارہ نہ کرے گی اور اُس بادشاہ کو گالی دے گی۔ حالانکہ اسے علم بھی ہو کہ اس کے جوان ہونے تک مَیں نے مر جانا ہے مگر پھر بھی محبتِ ذاتی کی وجہ سے وہ بچہ کی پرورش کو ترک نہیں کرے گی۔'' (ملفوظات جلد ۶ صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲)

ماں وہ عظیم ہستی ہے جو بچوں کو اپنے خونِ جگر سے پالتی اور پھر ساری عمر اُن پر محبتوں کے پھول نچھاور کرتی رہتی ہے۔ اُس کا حق ہے کہ اولاد بھی اُس کی اُتنی ہی تعظیم اور خدمت کرے آنحضور ﷺ ماں کے بلند مرتبہ کے لحاظ سے اُس کی خدمت کو دوسرے تمام رشتوں پر فوقیّت دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ لوگوں میں سے میرے حسنِ سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں۔ اُس نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں۔ اُس نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں۔ اُس نے چوتھی بار پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا ماں کے بعد تیرا باپ تیرے حسنِ سلوک کا زیادہ مستحق ہے۔ پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ قریبی رشتہ دار۔ (بخاری)

خوش قسمت ہیں وہ بچے جن کو ماؤں کی محبت میسّر ہے اور خوش نصیب ہے وہ اولاد جو اپنی ماؤں کی خدمت سے غافل نہیں ہوتی۔

ادارہ اخبار احمدیہ کی طرف سے تمام قارئین کو نیا سال

مبارک

جرمنی میں تبلیغ اسلام

مغربی جرمنی میں میرا پہلا دور تبلیغ

(از قلم، فضل الٰہی انوری، سابق مبلغ سلسلہ)

قسط چہارم

ایک اطالوی دوست ڈاکٹر محمد عبد الہادی کیوسی صاحب کا قبول اسلام:

جس دن خاکسار اپنی پہلی تعیناتی کے سلسلے میں فرانکفرٹ پہنچنے کے بعد ہمبرگ کے لئے روانہ ہوا تھا، اس دن (گیسٹ بک میں موجود ریکارڈ کے مطابق) شام کے وقت ایک اطالوی دوست مسجد میں تشریف لائے۔مکرم محمود احمد صاحب چیمہ نے ان کا استقبال کیا۔ جماعت کا مختصر تعارف کرایا۔ وہ غالباً چند منٹ ہی مسجد میں ٹھہرے ہوں گے۔ جاتے ہوئے وہ مشن کی گیسٹ بک پر اپنا کام و پتہ اور جملہ اطالوی زبان میں لکھ گئے، جس کا مطلب ,,آج میں نے اس مسجد کو دیکھا ہے،،۔

ان کا یہ تھوڑی دیر کے لئے مسجد میں آنا کس طور پر ان کی زندگی کی کایا پلٹ دینے کا موجب ہوا۔ یہ ایک دلچسپ قصہ ہے۔ میرے فروری ۱۹۶۵ء میں فرانکفرٹ کی مسجد کے امام کے طور پر چارج لینے کے تھوڑے عرصہ بعد مکرم چیمہ صاحب تو پاکستان چلے گئے اور چلنے سے پہلے مجھے انہی اطالوی دوست سے متعارف کرا گئے کہ یہ دوست ہفتہ میں ایک بار مسجد میں یسرنا القرآن پڑھنے آتے ہیں۔انہیں عربی پڑھنے اور سیکھنے کا شوق ہے۔ میں نے کہا، کیا مسلمان ہو چکے ہیں۔ انہوں نے کہا، نہیں۔ویسے ہی وہ چاہتے ہیں کہ عربی زبان سیکھ لیں۔ میرے پاس عربی کی کوئی کتاب نہیں تھی۔ میں نے یسرنا القرآن پڑھانا شروع کر دیا ہے۔

مکرم چیمہ صاحب کے پاکستان تشریف لے جانے کے بعد مکرم ڈاکٹر اطالو کیوسی صاحب (یہ ان کا نام تھا) باقاعدہ ہفتہ کے روز تشریف لاتے، مجھ سے یسرنا القرآن پڑھتے، کچھ غیر رسمی گفتگو بھی ہو جاتی اور بس۔

> وہ خود ہی کہنے لگے۔قرآن کریم سے بہتر اور کون سی کتاب ہوسکتی ہے۔

ہاں یہ ضرور تھا کہ مسجد کے اس وقت کے معروف دستور کے مطابق انہیں چائے کی ایک پیالی ضرور پیش کی جاتی جسے وہ بخوشی قبول کرتے اور ہمیشہ ہی کہتے کہ آپ کی چائے بہت لذیذ ہوتی ہے۔اس کا بدلہ اتارنے کے لئے انہوں نے بھی اپنا ایک دستور بنالیا کہ مشروبات کا ایک کریٹ لاتے اور کہتے کہ یہ آپ کے دوستوں کے لئے میری طرف سے ایک ادنیٰ سا نذرانہ ہے۔ بوتلیں خالی ہو جانے پر ایک اور کریٹ آ جاتا۔اور اس دستور میں انہوں نے کبھی ناغہ نہ کیا۔

چند مہینوں میں انہوں نے یسرنا القرآن ختم کر لیا۔اب سوال پیدا ہوا کہ کونسی کتاب شروع کی جائے۔ وہ خود ہی کہنے لگے۔قرآن کریم سے بہتر اور کون سی کتاب ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اب انہوں نے قرآن کریم پڑھنا شروع کر دیا۔ میں یہ لکھنا بھول گیا کہ یسرنا القرآن پڑھانے کے دوران میں نے ان کی خواہش پر انہیں عربی گرائمر کے اسباق بھی دینے شروع کر دئے۔ کیونکہ ان کا اصل مدعا عربی پڑھنے کا تھا۔قرآن کریم شروع کرنے کے وقت وہ عربی گرائمر پر اچھی خاصی دسترس حاصل کر چکے تھے۔ چنانچہ جب قرآن کریم پڑھنا شروع کیا تو کہنے لگے مجھے ساتھ ساتھ معنی بھی بتاتے جائیں۔ اس طرح پر انہیں ناظرہ پڑھنے کی مشق کے علاوہ معانی پر بھی عبور حاصل ہوتا گیا۔مشکل الفاظ کو وہ اپنی کاپی پر لکھ لیتے۔ میں لفظ کا مادہ بھی بتا دیتا اور یہ بھی کہ وہ لفظ اس مادے سے کیسے اور کس اصول پر بنا ہے۔ گویا میں عربی گرائمر کے قواعد سے بھی انہیں روشناس کراتا گیا۔ جس سے ان کی دلچسپی اور قرآن سے ان کی لگن میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔

> کس طرح انہوں نے دل ہی دل میں اسلام قبول کر کے پنج وقتہ نماز کی مشق بھی شروع کر دی

کچھ سورتیں ترجمہ کے ساتھ پڑھ لینے کے بعد ڈاکٹر کیوسی صاحب ایک دن کہنے لگے کہ میں اب ترجمہ تو کسی حد تک خود ہی پڑھ سکتا ہوں کیونکہ کئی زبانوں میں ترجمہ والے قرآن کریم میرے پاس موجود ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ قرآن کریم کے معانی پر اچھی طرح عبور حاصل کرنے کے لئے میں اس کا کسی ایسی زبان میں ترجمہ کرنا شروع کر دوں، جس میں پہلے ترجمہ نہ ہوا ہو۔انہیں چھ زبانیں آتی تھیں۔ان میں سے پانچ میں یا تو تراجم چھپ چکے تھے یا ترجمہ تیار تھا۔ البتہ ایک زبان اسپرانٹو Esperanto ایسی تھی جو انہیں آتی تھی اور اس میں ترجمہ اب تک نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اسپرانٹو زبان میں ترجمہ شروع کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم پڑھنے کی مشق بھی ہفتہ واری اسباق کی صورت میں انہوں نے جاری رکھی۔ اب معانی کے ساتھ میں نے انہیں کسی قدر تفسیر بھی بتانی شروع کر دی تا کہ آیات کا مفہوم اچھی طرح ان پر واضح ہو جائے۔

قرآن کریم کا اسپرانٹو زبان میں ترجمہ کرتے وقت وہ ہمارے جرمن، انگریزی اور فرانسیسی زبان میں تراجم اور پانچ جلدوں والی انگریزی تفسیر کو سامنے رکھتے۔ مجھے ہر ہفتہ آ کر بتاتے کہ اب میں نے اس قدر ترجمہ مکمل کر لیا ہے۔ ترجمہ بھی کرتے جاتے اور ساتھ اسے اسپرانٹو زبان میں ٹائپ بھی کرتے جاتے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دورہ یورپ کے وقت جو غالباً جولائی ۱۹۶۷ء میں ہوا، وہ بیس پاروں تک مکمل کر چکے تھے۔ ترجمہ کے دوران ان پر اسلام کی حقیقت کس طور پر کھلی اور کس طرح انہوں نے دل ہی دل میں اسلام قبول کر کے پنج وقتہ نماز کی مشق بھی شروع کر دی۔اس کی دلچسپ تفصیل ان کی جرمن زبان میں تصنیف ´Das Haus in Mekka میں موجود ہے۔ اور طوالت کے باعث اسے یہاں درج نہیں کیا جا رہا۔ پھر جس طریق پر انہوں نے شراب پینے سے کلیتہً کنارہ کشی اختیار کی، اس کا دلچسپ اور ایمان افروز بیان بھی خاکسار نے اس کتاب کے اردو ترجمہ ,,میراج بیت اللہ،، میں درج کر دیا ہے۔ یہاں اس ضمن میں ان کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کے خیالات کا تذکرہ کرنا قارئین کے لئے خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

جب ابھی مکرم ڈاکٹر صاحب یسرنا القرآن ہی پڑھ رہے تھے تو ۱۹۶۶ء کا ماہ صیام آ گیا۔ مجھے ایک پاکستانی دوست خورشید اکبر صاحب نے کہہ رکھا تھا کہ میں سارے روزے ان کے ہاں افطار کروں۔ان کا مکان بھی اس وقت مسجد سے قریب وینڈل چوک (Wendels Platz) کے اوپر تھا۔ ایک دن میں ان کی اجازت سے مکرم ڈاکٹر کیوسی صاحب کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ مکان میں داخل ہونے سے قبل وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ آپ میرا تعارف ان سے (یعنی اکبر صاحب سے) کیسے کروائیں گے۔ میری زبان سے جلدی ہی ایک ایسا جملہ نکل گیا جس کی سنجیدگی کا میں اس وقت تو اندازہ نہ لگا سکا، البتہ بعد میں مکرم ڈاکٹر صاحب کے ہی خط سے اس کا احساس ہوا۔ میں نے کہا، میں کہوں گا یہ ہمارے ایک بھائی ہیں۔ وہ یہ سن کر خاموش رہے۔

خورشید اکبر صاحب کی ڈاکٹر صاحب سے پہلی ملاقات تھی۔ دونوں نے مل کر خوشی کا اظہار کیا۔ پہلے افطاری ہوئی۔ پھر میں نے اور اکبر صاحب نے باجماعت نماز پڑھی (اکبر صاحب باوجود احمدی نہ ہونے کے اب تک میری اقتداء میں نماز پڑھ لیتے ہیں)۔اس کے بعد کھانا کھایا اور یوں یہ مختصر سی تقریب ختم ہوئی۔

اگلے روز مجھے ایک طویل خط مکرم ڈاکٹر صاحب کی طرف سے موصول ہوا، جس میں انہوں نے پہلے کل کی دعوت کا شکریہ ادا کیا، پھر لکھا کہ انوری صاحب! مجھے اپنا دوست سمجھیں یا بھائی۔ جو آپ مناسب جانتے ہوں سمجھتے رہیں۔لیکن اگر آپ کا یہ خیال ہو کہ میں کسی وقت اپنا مذہب تبدیل کر کے آپ کے مذہب میں داخل ہو جاؤں گا، تو یہ ناممکن ہے۔اور پھر کسی قدر اختصار کے ساتھ وہ خاندانی، معاشرتی اور محکمانہ وجوہات لکھیں جن کے ہوتے ہوئے ان کا اپنا عیسائی رومن کیتھولک دین چھوڑ کر اسلام قبول کر لینے کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ میں نے خط پڑھا اور فائل میں لگا دیا۔اس کے بعد اس موضوع پر ہماری آپس میں اشارۃً بھی گفتگو نہیں ہوئی اور روزمرہ کی آمد و رفت، درس و تدریس اور ہنسی و مزاح کا سلسلہ حسب معمول جاری رہا۔لیکن کس طرح انہوں نے میرے یہاں ہوتے ہوئے پوشیدہ طور پر (صرف جماعت کے دوسرے دوستوں سے پوشیدہ، میرے سامنے البتہ انہوں نے بالجہر کلمہ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا) اور میرے واپس مرکز سلسلہ میں پہنچنے کے بعد علی الاعلان اسلام قبول کیا، ایک خارق عادت معجزہ سے کم نہیں۔بعض اس قسم کے معجزات کا ظہور، الٰہی جماعتوں میں ہوتا ہی رہتا ہے۔

بیتُ اللہ کی تعمیر میں آسمانی پتھر

حضرت عبدُ اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ''سیدنا آدمؑ نے سب سے پہلے کعبہ شریف کی بنیادیں رکھیں اور اس میں نماز ادا فرمائی'' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو بیتُ العتیق'' (پرانا گھر) اور اوّل بیت، (پہلا گھر) سے بھی پُکارا ہے۔

مکہ کی تاریخی روایت ہے کہ آسمان سے پتھر نازل ہوئے جن سے کعبہ کی تعمیر ہوئی۔ان پتھروں میں سے اب بھی ایک پتھر کالے رنگ کے اعتبار سے ''حجرِ اسود'' کہلاتا ہے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے وضاحت فرمائی ہے۔

''یہ بات نہ عقل کے خلاف ہے نہ سائنسی مشاہدہ کے خلاف ہے کہ اگر آسمان سے سفید پتھر بھی چلے تو جب وہ زمین کی کثیف فضا میں داخل ہوتا ہے تو اس کو آگ لگ جاتی ہے اور پتھر کا جو حصّہ نیچے پہنچا ہے وہ جھلس کر سلیٹی یا کالی رنگت میں بدل جاتا ہے۔

(ٹیکنیکل میگزین ۹۹ء، انٹرنیشنل احمدیہ ایسوسی ایشن آف آرکیٹیکٹس اینڈ انجینیرز، مضمون مکرم محمود مجیب اصغر صاحب)

بقیہ۔انقلاب حقیقی

اس فتح کی منزل کے قریب تر ہو رہے ہیں۔لیکن ہم اتنے سادہ لوح بھی نہیں ہیں کہ یہ یقین کر لیں کہ ہماری زندگیوں ہی میں اور اسی نسل کے جیتے جی یہ روحانی انقلاب برپا ہو جائے گا۔ ہمارا مقصد بلند اور منزل دور بہت دور ہے۔ ہمارا فرض فقط یہ ہے کہ جس طرح بن پڑے کام اور کام کرتے چلے جائیں۔ یہ انقلاب حقیقی بالآخر برپا ہو کر رہے گا۔کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔ انشاءاللہ (تعالیٰ)۔

ایک مردِ خُدا، ص ۲۶۸، ۲۶۹)

Vol. 13 Monthly **Akhbar-e-Ahmadiyya** Germany Issue 1
National Shoba Tasneef, Ahmadiyya Muslim Jamaat, Genfer Str.11, 60437 Frankfurt/M, Tel:069-50688652, Fax:069-50688666, Email: akhbar3@yahoo.com

سفرنامہ

پسِ دیوارِ برلن

آخری قسط

محمد انیس دیالگڑھی

اس مضمون میں موقع اور محل کی نسبت سے خاکسار برلن اور جرمنی کی تاریخ کا مختصر ذکر کرتا رہا ہے۔10 نومبر 1918ء تک کا ذکر خاکسار نے کیا تھا کہ اُس روز Rat der Volksbeauftragten کا آغاز ہوا۔اب اسکے بعد کے حالات مختصراً تحریر کرتا ہوں۔

چند سال تو امن میں گذرے اور جرمنی نے تیزی سے ترقی بھی شروع کر دی۔دولت اور ترقی کے ساتھ کسی حد تک تکبر بھی ضرور آتا ہے۔یہی بات نازی ازم کے آغاز کا باعث بنی۔یہ نازی ازم 1933ء کو شروع ہوا اور 1945ء میں جنگِ عظیم دوم کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔

30 جنوری 1933ء کو Paul von Hindenburg نے ہٹلر کو Reichskanzler نامزد کیا۔14 جولائی 1933ء کو ایک قانون کے ذریعہ NSDAP کو جرمنی کی واحد سیاسی جماعت قرار دے کر اپوزیشن کو ختم کر دیا گیا۔ 26 جنوری 1938ء کو ہٹلر نے فوجوں کی کمان خود سنبھال لی۔ 26 اپریل 1938ء کو یہودیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے مالی گوشوارے اور اثاثے رجسٹر کروائیں۔

یکم ستمبر 1939ء کو جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کر دیا۔9 اپریل 1940ء کو جرمنی نے ناروے اور ڈنمارک پر حملہ کیا۔10 مئی 1940ء کو westfeldzug، یعنی مغربی محاذ پر جنگ کا آغاز ہوا۔24 اگست 1940ء کو جرمنی نے لنڈن پر ہوائی حملہ کیا۔25 اگست 1940ء کو برٹش رائل ایرفورس نے برلن پر جوابی حملہ کیا۔27 ستمبر 1940ء کو تین طاقتوں جرمنی، اٹلی اور جاپان میں معاہدہ ہوا۔18 دسمبر 1940ء کو ہٹلر نے باربروسا پلان تیار کیا، یعنی روس پر حملہ کی منصوبہ بندی۔6 اپریل 1941ء کو جرمنی نے یوگوسلاویا اور یونان پر حملہ کر دیا۔22 جون 1941ء کو بغیر اعلانِ جنگ کے جرمنی نے روس پر حملہ کر دیا اور 11 دسمبر 1941ء کو امریکہ کے خلاف بھی اعلان جنگ کر دیا، اس طرح ایک عالمی جنگ شروع ہو گئی۔

جنوری 1943ء میں کاسابلانکا میں ہٹلر کے خلاف اتحادیوں (Anti Hitler coalition) کا اجلاس ہوا۔جس میں جرمنی سے غیر مشروط طور پر ہتھیار پھینکنے کا مطالبہ کیا گیا۔

2 مارچ 1943ء کو برٹش ایرفورس کا بہت بڑا ہوائی حملہ ہوا جس میں 257 ہوائی جہازوں نے حصّہ لیا۔10 جولائی 1943ء کو سسلی میں امریکہ کی فوجوں نے لینڈ کیا۔یکم اگست کو سات لاکھ لوگوں نے برلن سے ہجرت کی۔اور اس طرح برلن سے لوگوں کا انخلاء شروع ہوا۔

18 نومبر 1943ء کو برٹش ایرفورس کا دوبارہ ہوائی حملہ ہوا جس میں برلن کو مکمل طور پر تباہ کرنے کا پروگرام تھا۔3 جنوری 1944ء سے لیکر یکم فروری 1944ء تک برٹش ایرفورس کا برلن پر ہوائی حملہ ہوتا رہا۔6 مارچ 1944ء کو امریکہ نے نان سٹاپ ہوائی حملہ شروع کر دیا جس میں دس ہزار انسان ہلاک ہوئے اور ڈیڑھ لاکھ بے گھر۔20 جولائی 1944ء کو بم دھماکے کے ذریعہ ہٹلر کو ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی جو ناکام ہوئی۔

12 ستمبر 1944ء کو اتحادیوں نے برلن کو تقسیم کرنے کا منصوبہ بنایا۔فروری 1945ء میں امریکنوں کا اس وقت کا سب سے بڑا اور خطرناک ہوائی حملہ برلن پر ہوا۔2600 افراد ہلاک ہوئے اور ایک لاکھ بے گھر۔16 اپریل 1945ء کو سرخ آرمی نے برلن کی طرف پیش قدمی شروع کی۔20 اپریل 1945ء کو ہٹلر نے اپنی 56ویں اور آخری سالگرہ منائی۔

24 اپریل کو سُرخ آرمی نے برلن کے تین حصّوں NeuKölln,Tempelhof, Zehlendorf، پر قبضہ کر لیا۔27 اپریل کو برلن شہر کے اندر جنگ شروع ہوگئی۔30 اپریل 1945ء کو ہٹلر نے خودکشی کر لی۔2 مئی 1945ء کو جرمن افواج نے ہتھیار ڈال دئے اور 8 مئی کو ہتھیار پھینکنے کے معاہدے پر دستخط کئے۔

برلن کئی حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا۔روس، امریکہ، فرانس اور برطانیہ نے اپنے اپنے حصّوں میں اپنی فوجیں تعینات کر دیں۔

1961ء میں دیوار برلن تعمیر ہوئی اس دیوار نے برلن سمیت جرمنی کو مشرقی اور مغربی، دو حصّوں میں تقسیم کر دیا۔یہ بدنام زمانہ دیوار 162 کلومیٹر لمبی تھی۔برلن شہر کو دو حصّوں میں تقسیم کرنے والی دیوار کی لمبائی 43.1 کلو میٹر تھی۔9 نومبر 1989ء کی شام کو یہ دیوار گرا دی گئی۔

دُنیا نے سمجھا کہ اب تو امن کی راہ میں آخری روک بھی دور ہوگئی۔مگر بعد کے حالات نے اس کے برعکس نتیجہ نکالا اور دنیا پھر جنگ وجدل میں مصروف ہوگئی۔ہتھیاروں کی دوڑ بھی تیز ہوگئی۔صرف امریکہ اور روس کی ہتھیاروں کی دوڑ ہی اس خطرے کی نشان دہی کے لئے کافی ہے۔پھر گولف کی جنگ جو ختم ہونے میں نہیں آتی اور جس کے نتیجہ میں تیل کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں اور دُنیا اقتصادیات کے کرائس میں دھکیلی جا رہی ہے۔ساری دُنیا میں بدامنی، فساد اور جنگ وجدل کا دور دورہ اس قرآنی محاورہ کی تصدیق کر رہا ہے کہ "خشکی ہو یا تری، ہر طرف فساد ہی فساد ہے۔اور انسان کی چھٹی حس کسی بڑے خطرے کو محسوس کر رہی ہے۔اور جن لوگوں کو خدا نے فراست عطا کی ہے وہ تو آنے والے حالات کو صاف دیکھ رہے ہیں۔اور اُن کے دل کی کیفیت یہی ہے کہ،

"آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اس کا علاج
آسماں اے غافلو اب آگ برسانے کو ہے"

مگر ساتھ ہی یہ نوید دل کی ڈھارس بندھاتی ہے کہ

"نیک کو کچھ غم نہیں ہے گو بڑا گرداب ہے"

اس سال (2007ء) کے شروع میں برلن میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ایک امن اور سلامتی کے دور کا، جس میں امن کے نام پر کسی جنگ کا طبل نہیں بجایا گیا۔جس میں کسی پر حملہ نہیں کیا گیا۔جس میں کوئی ہلاک نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی بے گھر ہوا۔کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی گئی۔نہ کوئی ہتھیار استعمال ہوا نہ کوئی جبر وتشدّد کیا گیا۔

یہ دور 2 جنوری 2007ء کو شروع ہوا جب مسیح موعودؑ کے پانچویں خلیفہ، امن کے پیامبر نے برلن میں مسجد، یعنی امن کے دور کی بنیاد رکھی۔اس مسجد کی دیواریں انسان کو انسان سے جدا نہیں کریں گی بلکہ سارے انسانوں کو اس محبت سرا میں اکٹھا کریں گی۔انسان پھر دوسرے انسان سے محبت، امن اور رواداری سے رہنا سیکھے گا۔انشاءاللہ۔

"اے چشمِ خزاں دیدہ، کھل کھل کہ سماں بدلا
اے فطرتِ خوابیدہ، اُٹھ اُٹھ کہ بہار آئی"

خلاصہ خُطبہ عید الضحیٰ

ایکہ داری عزمِ تائیداتِ دیں — یاد رکھ اس بات کو تُو بالیقیں
کوئی قُربانی بجز تقویٰ نہیں — اور بلا قُربانی کچھ ملتا نہیں
بے مُحبت جملہ قُربانی فضول — متقی کی صرف ہوتی ہے قبول
امتحانِ عِشق ہیں قُربانیاں — پر وہی جن میں ہو تقویٰ کا نشاں
مُتقی اللہ کا محبوب ہے — اس کا تھوڑا بھی بہت مرغوب ہے
ہر عمل میں اپنے اے جانِ پدر — لَنْ یَّنَالَ اللہ پر رکھیو نظر
گوشت کا اور خون کا یاں کام کیا — یاں تو بس تقویٰ سے حاصل ہو رضا
تو وفا کو سیکھ ابراہیمؑ سے — جس نے بیٹا رکھ دیا خنجر تلے
عِشق کے کوچہ کا ہے پہلا سوال — لائیے ناموس و عزت۔جان و مال
گر ذرا بھی ہو تامّل سے جواب — مُدّعی کا ہوگیا خانہ خراب
عشق و تقویٰ کا نہ تھا باقی نشاں — لائے اُن کو احمدِ آخر زماں
گر تجھے ہے چاشنی اس راہ کی — داخلِ حزبِ خُدا ہو جا ابھی
چاہتا ہے قُرب گر۔قربان ہو — تا کہ تو حیوان سے انسان ہو

چند چند از حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

بخارِ دل صفحہ ۳۰،۳۱

ہماری دولت روپیہ نہیں ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنے خطبہ جمعہ ۲۴ مارچ ۱۹۷۸ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ میں فرمایا۔

میں سب کو یہی سمجھاتا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں پیسہ بہت دیا ہے لیکن خدا تعالیٰ نے ہمیں ایک پیسہ بھی ضائع کرنے کے لئے نہیں دیا۔اس واسطے ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ایک پیسہ، ایک دھیلہ بھی ضائع نہ ہو بلکہ جو پیسہ ملا ہے اس کا صحیح مصرف ہونا چاہئے۔ایک دفعہ میں یہاں سے گاڑی میں جا رہا تھا تو اس میں کچھ پڑھے لکھے اچھے عہدے دار بیٹھے ہوئے تھے۔میں اسٹیشن سے سوار ہوا۔جب گاڑی چلی تو وہ آپس میں باتیں کرنے لگے کہ انہوں نے اتنا بڑا اسکول بنا دیا، بڑی امیر جماعت ہے۔وہاں سے ہمارے دفاتر اور ہسپتال تو نظر نہیں آتے۔پھر کالج آیا تو کہنے لگے، اتنا بڑا کالج بنا دیا، بہت امیر لوگ ہیں۔جس وقت ربوہ کی امارت پر تنقید ختم ہوئی تو میں نے انہیں کہا کہ میں یہاں رہتا ہوں اور احمدی ہوں۔ہم واقعی بہت امیر ہیں لیکن ہماری دولت روپیہ نہیں ہے، ہماری دولت وہ رحمتیں ہیں جو ہم خدا سے وصول کرتے ہیں اور وہ برکت ہے جو خدا ہمارے پیسے میں ڈالتا ہے۔

(حیات ناصر ص ۱۹۱)